

## رمضان المبارک — تقویٰ، تشکر، تکبیر اور احتساب کا مہینہ

ڈاکٹر انیس احمد

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے لیے نعمتوں اور انعامات کا شمار ممکن نہیں لیکن اللہ کی ان نعمتوں میں رمضان المبارک کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کا انتظار رہتا تھا اور اس کا وہ جس شوق کے ساتھ استقبال کرتے تھے، اس کا احساس اور ذکر خود ایمان افروز اور اس انعامِ الہی کی قدر و منزلت کو سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے محبیز کا کام کرتا ہے۔ آپؐ رجب کا چاند دیکھتے تو دعا فرمایا کرتے تھے کہ

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبِلْغَانَ رَمَضَانَ، اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرم اور ہمیں رمضان کے مہینے تک پہنچا دے۔

اور پھر جب رمضان کا چاند نظر آ جاتا تو لسان نبویؐ سے یہ الفاظ گوہر بن کرفوشان ہوتے:

اللَّهُمَّ أَهْلِهَ عَلَيْنَا بِالْأُمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامِ وَالاسْلَامِ ربِّکَ وَرَبِّکَ اللَّهُ (بخاری) اے اللہ! ہم پر یہ چاندِ امن و ایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع فرماء۔ (اے چاند) میرا اور تیراب اللہ ہی ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخری تاریخ کو ایک خطبہ دیا جس میں رمضان کے با برکت مہینے کے استقبال کے لیے ہمیں اس طرح تیار فرمایا: اے! او گو! بہت بڑی عظمت اور با برکت والا مہینہ تم پر سایہ گلن ہونے والا ہے۔ اس مبارک مہینے کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ نے اس مہینے کے روزے تم پر فرض کیے ہیں، اور رات کے قیام (مسنون تراویح) کو نفل قرار دیا ہے۔ جو شخص اس مہینے

میں دل کی خوشی سے ایک نیکی کا کام کرے گا اس کو دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر ثواب ملے گا، اور جو شخص اس مہینے میں ایک فرض ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوسرے مہینوں کے فرضوں کے برابر ثواب بخشنے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، صبر کا اجر جنت ہے اور یہ غریبوں کی مالی ہمدردی اور امداد کا مہینہ ہے۔ (مشکوہ)

رمضان کی برکتوں کا ذکر فرماتے ہوئے آپؐ نے اس خطے میں روزے کے دو اہم پہلوؤں کو اجاگر فرمایا ہے جو روزے کی روح اور مقصد کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں، یعنی صبر کا مہینہ اور مواساة کا مہینہ، یعنی غریبوں اور دوسرے انسانوں کے لیے مالی ہمدردی اور امداد کا مہینہ۔ صبر کا تعلق خواہشات اور جذبات پر قابوکی صلاحیت پیدا کر کے اور رب کی اطاعت اور حق کی راہ میں ثابت قدی سے ہے، اور مواساة کا تعلق دوسرے انسانوں کے لیے رحمت اور اخوت کے جذبات کو پروان چڑھا کر ایک دوسرے کے لیے سہارا بننے اور انسانی معاشرے کو محبت، تعاون اور سلامتی کا گہوارا بنانے سے ہے۔ قرآن کی تعلیمات کا خلاصہ اللہ کی اطاعت اور اللہ کے بندوں کے لیے رحمت کی صفات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

روزے کے باب میں قرآن نے تین چیزوں کی طرف خصوصیت سے ہمیں متوجہ کیا ہے:

- لَعَلَّكُمْ يَتَقَوَّنَ، تاکہم صاحب تقویٰ بن جائیں۔
  - لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ، تاکہم اپنے رب کا شکر ادا کرو۔ اس کی اس نعمت پر کہ اس نے تم کو قرآن سے جو عظیہ فرقان وہدایت ہے، نوازا اور اس مہینے میں اس کا نزول شروع ہوا۔
  - لِتُكَبِّرُوا اللَّهُ عَلَىٰ مَا هَدَكُمْ، تاکہم اس انعام خداوندی اور عطاے ہدایت ربانی پر اللہ کی کبیریٰ بیان کرو اور قرآن کے پیغام کو پھیلا اور بلند کر کے اس انعام کا شکر ادا کرو۔
- نی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مبارک مہینے سے فائدہ اٹھانے کا مؤثر ترین نجف اس طرح بیان فرمایا: ”جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام بچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔“

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مبارک مہینے کو نیکیوں کی فصلی بہار قرار دیا ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعامِ خاص ہے کہ پاکستان کا قیام اس مبارک مہینے میں بلکہ ۲۷ رمضان المبارک

کو ہوا اور اس سال بھی امامی کے انتخابات کے بعد یہ مبارک مہینہ ہم پر سایہ فگن ہو رہا ہے۔ آئیے رمضان المبارک کے نعمت خداوندی ہونے کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں اور پھر اس مبارک مہینے میں اپنے، اپنے ملک اور امت مسلمہ کے حالات پر ایمان اور احصاب کے ساتھ نظر ڈالنے کی کوشش کریں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمیں اپنی ذاتی زندگیوں میں بھی اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق سے نوازے اور پاکستان، امت مسلمہ اور تحریک اسلامی کو بھی ان اخلاقی، مادی اور اجتماعی قوتوں کے حصول کی سعادت سے فیض یاب کرے جو دو رہاضر میں اسلام اور مسلمانوں کو درپیش چینجنوں کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کے لائق بنائیں۔

روزہ اسلام کے نظامِ تربیت و اصلاح کا ایک بنیادی رکن ہے۔ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اسلام کے نظامِ تربیت میں عبادات اور معاملات کے ذریعے نہ صرف فرد، بلکہ معاشرے اور پوری انسانیت کے لیے کرنے کے ایسے کام فرض کیے ہیں جن میں سے ہر ایک اس نظامِ تربیت کو قوت اور سہارا دیتا ہے۔ روزے کے بارے میں جامع تعریف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یوں فرمائی ہے: ”روزہ سال بھر میں ایک مہینے کا غیر معمولی نظامِ تربیت (special training course) ہے جو آدمی کو تقریباً ۷۲۰ گھنٹے تک مسلسل اپنے مضبوط ڈپلن کے شاخے میں کے رکھتا ہے تاکہ روزانہ کی معمولی تربیت میں جو اثرات خفیف تھے وہ شدید ہو جائیں“ (سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۶۷)۔ اسی پہلو کو کچھ مختلف الفاظ میں محترم مولانا یوں فرماتے ہیں: ”نہ صرف روزہ بلکہ تمام عبادات کی غرض یہی ہے کہ ان کے ذریعے آدمی کی تربیت کی جائے اور اس کو اس قابل بنادیا جائے کہ اس کی پوری زندگی اللہ کی عبادت بن جائے“ (خطبیات، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۱۹)۔ گویا عبادات انسان کے مقصد وجود کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (الذاريات ۵۶:۵)

”میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا اسی لیے کیا ہے کہ وہ میری عبادت و بندگی کریں۔“

ایک بنیادی فرق روزے اور دیگر عبادات میں یہ ہے کہ ان کی ادا یگی ایک قابل محسوس شکل رکھتی ہے، جب کہ روزہ ایک ایسی مخفی عبادت ہے جسے صرف وہ جس کی عبادت کی جا رہی ہے،

جانتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ابن آدم کا ہر (نیک) عمل کئی گناہوں کا بڑھادیا جاتا ہے۔ ایک نیکیوں کے برابر، حتیٰ کہ ۲۰۰ گناہک بڑھادی جاتی ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے سوائے روزے کے جو صرف میرے لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا کیونکہ وہ میری وجہ سے اپنی شہوت اور اپنے کھانے کو چھوڑتا ہے۔ (مسلم، حدیث ۱۱۵)

یہ دوسروں کو نظر آنے والی عبادات اثرات و نتائج کے اعتبار سے صحیح معنی میں جہاد اصغر کبی جاسکتی ہے، کیونکہ اس میں نفس میں پائی جانے والی اور مخفی بغاوت (طاغوت) اور انانیت (شیطان) جو ایک انتہائی بھٹلے اور راست باز انسان کو قوتی طور پر اپنے قابو میں لے آتی ہے، اس کو پورے ایک ماہ کے لیے ایک نظر نہ آنے والے قید خانے کی علیین سلاخوں کے پیچے بیڑیاں پہننا کر قید کر دیا جاتا ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا: تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آپنچا۔ یہ بارکت مہینہ ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم پر اس کے روزے فرض فرمائے، اس مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور اس میں شیطان جکڑ دیے جاتے ہیں۔ (سنن نسائی، حدیث ۲۱۰۶، ۲۱۰۷، بخاری، حدیث ۳۲۷)

عام دنوں میں شیطانی وساوس مومن کو بہت سے نیک کاموں سے روکنے کے لیے نئی نئی شکلوں میں مراحم ہوتے ہیں لیکن رمضان ایسا موسم بہار لے کر آتا ہے جس میں فضا بھلاکیوں کے لیے سازگار اور بُرا نیوں کے لیے سدراہ بن جاتی ہے۔ روزہ ایک ڈھال بن کر آتا ہے۔ اس لیے اگر کسی روزہ دار کو کوئی شخص جھگڑے پر آمادہ کرنا چاہے تو وہ صرف یہ کہہ کر الگ ہو جاتا ہے کہ ”میں روزے سے ہوں“۔ (بخاری، حدیث ۱۹۰۳، مسلم، حدیث ۲۷۲۰)

یہ بہت، یہ اعتماد اور یہ حوصلہ کہ ایک دھمکی کا جواب ہاتھ سے دینے کی صلاحیت ہو اور پھر بھی صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا جائے میں روزے سے ہوں، صرف ایسی صورت حال ہی میں ہو سکتا ہے جب ایک شخص کو یہ شعور اور آگئی ہو کہ وہ ایسے نظامِ تربیت سے گزر رہا ہے جس میں ہر نفیاتی رد عمل اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے تابع ہو۔ یہ ضبط نفس صرف اور صرف رمضان ہی کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس ماہ کی برکات اور اس عبادت کے ذریعے اپنی شخصیت و سیرت میں انقلابی تبدیلی کا عمل ہم اسی وقت کر سکتے ہیں جب چند بالوں سے اجتناب کیا جائے اور ایسے عمل کو

وظیفہ حیات بنا لیا جائے جو رمضان کے دوران اور اس کے بعد ہمارے ہر سانس، ہر قدم، ہر خیال، ہر منصوبے اور ہر ارادے کو صحیح رُخ اور معنی دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جن چیزوں سے بچنے اور اجتناب کرنے سے یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے انھیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے لیکن تعداد میں کم ہونے کے باوجود ان سے بچنے کے لیے مضبوط عزم اور اللہ تعالیٰ کے آنکھوں کے سامنے ہونے کا تصور ضروری ہے۔ ان میں جنسی لذت کی نیت سے قربت، غذا، پانی، جھوٹ اور جاہلیت کے دور میں کی جانے والی عادات شامل ہیں۔ ”جو شخص جھوٹ بولنے، اس کو پھیلانے اور جہالت کی باتوں کو ترک نہیں کرتا تو اللہ رب العزت کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنے کھانے پینے کو ترک کرے“ (بخاری، حدیث ۱۹۰۳)۔ خصوصاً زبان کی احتیاط کو کوئی فخش بات نہ ہونے پائے۔

یہ نظامِ تربیت جن مطلوبہ صفات کو جلا بخشتا ہے ان میں سرفہrst تقویٰ کی روشن ہے (البقرہ: ۲: ۱۸۳)۔ دوسری صفت صبر، یعنی ایک جانب اپنے آپ کو نفس کے مطالبات سے روکنا اور دوسری جانب ثابت اور تیری پہلو سے بھائی، قیامِ حق اور نظامِ عمل کے قیام، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بندگی کے نظام کو نافذ کرنے کی جدوجہد کو انتقامت کے ساتھ کرتے ہوئے اس پر جنم جانا ہے۔ ”صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا“ (آل عمرہ: ۳۹: ۱۱)۔ وہ شہرُ الصَّبْرِ (مشکوٰۃ عن سلمان الفارسی)۔ تیسری مطلوبہ صفت حاجتِ مندوں اور معاشرے کے غریب افراد کے ساتھ ہمدردی کی صفت کا پیدا کرنا ہے۔ ..... وَشَهْرُ الْمُوَاسَأةِ (مشکوٰۃ عن سلمان الفارسی)۔ یہ ہمدردی مالی بھی ہو سکتی ہے، غذا فراہم کر کے، لباس دے کر، حتیٰ کہ ایک ملازم پر سے اس کا بوجھ کم کرنے کی شکل میں بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اس مہینے میں غیر معمولی طور پر آپؐ کی جود و تھاوت بارش لانے والی ہواں کو مات کر دیتی تھی (تفقی علیہ)۔ اس دوران آپؐ سے جو کچھ مانگا جاتا آپؐ انکار نہیں فرماتے تھے۔ (مسند احمد)

### رمضان اور احتساب

ان اعلیٰ صفات کو پیدا کرنے کی تربیت کے ساتھ ساتھ یہ مہینہ ایک اور اہم پیغام بھی لے کر آتا ہے جو تمام عبادات اور معاملات کے مغز کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی جو بھلائی بھی کی جا رہی ہے یا جس کے کرنے کی تربیت حاصل کی جا رہی ہے اس کا محرک اصل میں کیا ہے۔ صادق الامین

خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه ”جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کی نیت سے رکھتے تو اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے گئے“ (بخاری، حدیث ۱۹۰۱، مسلم، حدیث ۱۷۵)۔ اگر غور کیا جائے تو یہ جامع قول حق و صداقت، یعنی ایمان اور احتساب کے ساتھ روزے کا رکھنا روزے کی روح ہے اور رمضان سے قبل پیش آنے والے تمام معاملات پر غور کرنے کی دعوت۔ ان کا تجزیہ کر کے اپنی کمزوریوں کو طاقت میں بدلنے کی تربیت ہے۔ اس سلسلے میں وہ حدیث بھی ہمارے سامنے آتی چاہیے جس میں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ”قیامت کے دن اللہ کی عدالت سے آدمی نہیں ہٹ سکتا جب تک اس سے پانچ باتوں کے بارے میں حساب نہیں لے لیا جاتا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ عمر کن مشاغل میں گزاری، دین کا علم حاصل کیا تو اس پر کہاں تک عمل کیا، مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، جسم کو کس کام میں گھلایا۔ (ترمذی، عنابی برزاۃ الاسلامی)

حضرت عمرؓ کے مشہور قول حاسبو اقبل ان تحاسبوا ”احساب کرو، قبل اس کے احتساب کیا جائے“ اور رمضان کے روزے احتساب کے ساتھ رکھنے والی حدیث مبارکہ کی اہمیت تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے غیر معمولی ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس احتساب کے مختلف پہلوؤں پر اپنے ذہن کوتازہ کرتے ہوئے اس نتیجہ کیمیا کے ذریعے اپنی تمام بھول چوک کے لیے اس مبارک مہینے کے روز و شب میں رب کریم سے خصوصی استغفار، استغانت و نصرت کی طلب کے ساتھ کیا جائے، تاکہ بھول اور لغزش فیصلے کی ہو، ذاتی طور پر ذمہ داریوں کی ادا گی میں ہو، انفاق فی سبیل اللہ میں کی گئی ہو، اپنی صلاحیتوں کو وقت پر استعمال نہ کرنے کی ہو، صحیح منصوبہ بندی نہ کرنے کی ہو یا پورے خلوص کے ساتھ ایک ایسا رویہ اختیار کرنے کی ہو جس کی توقع ایک داعی سے نہیں کی جاتی، کے اثرات نہ ہوں۔ غرض کی ضرورت ہے کہ ماضی کے ہر عمل کے بارے میں خود احتسابی اور دیانت و امانت اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ اس رمضان کا استقبال کیا جائے۔

اس احتسابی عمل کا آغاز، ایک کارکن ہو یا ذمہ دار، اسے اولاً اپنے آپ سے سوال کرنا ہو گا کہ دعوت دین اور اقامت دین کی مہم میں چاہے وہ انتخابی مہم میں حصہ لینے کی شکل میں ہو، کیا وہ

فرائض کی ادائیگی میں چاق چوبندر ہا، یا اپنے خیال میں ایک بھلائی کے کام میں مصروف ہونے کے عذر نے اسے نمازوں میں سستی پر آمادہ کر دیا؟ کیا اس کی زبان سے اس کا پڑوئی، حتیٰ کہ اس کا نظریاتی اور سیاسی مخالف محفوظ رہا اور اس نے حق کا اظہار اس طرح کیا جیسے کہ قرآن نے سنت رسول کا تذکرہ کیا ہے کہ ”دیکھوم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے شفیق اور حیم ہے“۔ (التوبہ: ۹)

داعی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا قول، قولِ لین ہو، اس کا میٹھا بول دل اور روح میں جاگزیں ہو جائے (طہ: ۲۰-۲۲)۔ وہ مخالف کی تلخ کلامی، الزام تراشی، درشتی، غرض ہر ہر غلط بات کا جواب مخالف کی زبان میں نہ دے بلکہ حکمت سے دے جس طرح ایک داعی کی زبان اظہار کرتی ہے۔ ”اور اس شخص کی بات سے اچھی بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلا یا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اے نبی نیکی اور بدی یکسان نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ عفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر آرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔ اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکس اہم محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لواہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے“۔ (حمد السجدة: ۳۱-۳۳)

ان اہم قرآنی ہدایات کی روشنی میں اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر شخص ذاتی طور پر اپنا احتساب کرے اور اس کے ساتھ ہر مسلمان، ہر پاکستانی اور تحریکِ اسلامی کا ہر کارکن موجودہ حالات کے تناظر میں اپنا، اپنے رذیبوں اور احاسات، اپنے مقاصد، اہداف اور سرگرمیوں کو، اور جو عہد اس نے اپنے اللہ سے کیا ہے اس کی روشنی میں احتساب کے ساتھ عزم نو کا عہد کرے، تاکہ رمضان کی برکتوں سے وہ خود کی فیض یاب ہو اور ملک و ملت اور تحریک و دعوت کو بھی قوت حاصل ہو۔ یہ جائزہ جہاں دنیا، امت اور پاکستان کے عمومی حالات کی روشنی میں لیا جانا چاہیے وہیں خود تحریکِ اسلامی اس وقت جس مرحلے سے گزر رہی ہے اور حال ہی میں ملک گیر انتخابی معمر کے نے جو نئے چیلنج ابھارے ہیں ان کو سامنے رکھ کر یہ کام کیا جائے۔

ہم نے بات کا آغاز اس حدیث مبارکہ سے کیا تھا جس میں ایمان و احساب کے ساتھ رمضان کے روزوں کو رکھنے کی برکت، یعنی اللہ کی طرف سے مغفرت کا تذکرہ ہے۔ کسی بھی رابطہ عوامِ مہم میں جو مرحلہ پیش آتے ہیں وہ تحریک اسلامی کے کارکنوں تک محدود نہیں ہیں، بلکہ کسی بھی نظریاتی گروہ کو پیش آ سکتے ہیں۔ ان میں سے چند پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

۱- وسیع پیمانے پر عوامی رابطہ مہم کا مقصد: اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مہم کا مقصد کیا صرف حصول اقتدار تھا یا رضاۓ الہی کا حصول اور دین کے قیام کے لیے سلطہ کا حصول۔ وَ قُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اَجْعَلْنِي مِنْ لَذْنَكَ سُلْطَنًا نَصِيرًا<sup>۵</sup> (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۰) ”اور دعا کرو کہ پور دگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا (مکہ سے مدینہ منورہ) سچائی کے ساتھ لے جا، اور جہاں کہیں سے بھی نکال (مکہ کردم سے) سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے۔“

اقامتِ دین کی جدوجہد میں اقتدار بذاتِ خود نہ کبھی مقصود تھا نہ ہو سکتا ہے بلکہ یہ دین کے نفاذ کا تشرییعی ذریعہ ہے۔ قرآن کریم کے تمام احکامات کا نفاذ اسی ذریعے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسلامی رفتہ اصولوں کا نفاذ ہو، یا زکوٰۃ کا نظام ہو یا نماز کا یاج کا، ابلاغی عاملہ کے برقراری سے حیا، سچائی، عدل و انصاف کے اصولوں کی تعلیم دینا ہو، یا تعلیم گاہ میں جدید علوم کی آگاہی، یا جدا گانہ نظام تعلیم ہو، یا عدالتوں میں پتھ، جری اور مرتقی قاضیوں کا تقرر ہو۔ اسی طرح اسلامی تعریفات کا نفاذ ہو یا حدود پر عمل، ہر ایک کے نفاذ کے لیے سلطہ، اقتدار کا حصول دینی مطالبہ ہے جو نصوص قرآنی کی بنابر قطبی الثبوت اور قطبی الدلالہ ہے۔ رمضان مطالبہ کرتا ہے کہ اس فریضے کی ادا گئی کے حوالے سے ذاتی اور اجتماعی احتساب کیا جائے کہ رابطہ عوامِ مہم میں کہیں ذات اور قریب المیعاد مقصود تو نہیں آ گئے؟ کیا یہ صرف اور صرف ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے برپا کی گئی؟

۲- مخاطب کی نفسیات و مسائل کا ادراک: کیا عوامی مہم میں اس بات کو پیش نظر رکھا گیا کہ جن عوام الناس کو افہام و تفہیم کی جا رہی ہے ان کے بنیادی مسائل — بے روزگاری، تعلیم کا نہ ہونا، صاف پانی کا میسر نہ ہونا، جان مال اور عزت کا تحفظ نہ پایا جانا، ملک میں گرانی کی آفت کا پایا جانا، صحت اور زندگی کی سہولیات کا نہ پایا جانا، صنعت کاروں کا بجلی کی عدم موجودگی کے

سبب کاروبار میں خسارہ اور عوام کا گرمی اور سردی دونوں میں پریشان ہوتا۔۔۔ کیا ان مسائل کے قابل عمل حل عوام کے سامنے پیش کیے گئے اور انھیں اپنے ساتھ شامل کیا گیا یا ملاقاتوں اور اجتماعات میں نظری گفتگو اور حالات کی صرف منقی تصویر سامنے پیش کی گئی۔ اسلام امید کا نام ہے۔ نصرتِ الہی پر یقین کے ساتھ بہترین نتائج کی بشارت اور ان کے لیے کوشش ہونے کا نام ہے۔ کیا ہم لوگوں میں امید اور حالات کے قابل تبدیل ہونے کا احساس پیدا کر سکے۔ کیا ملک کے عوام اور نوجوانوں پر طاری مایوسی کو ہم نے ایک الگ، ثابت اور قابل عمل منصوبہ پیش کر کے دُور کیا یا ہم بھی منقی اور غیر قیمتی تقدیم کے دائرے میں گھومتے رہے۔۔۔

۳- مخالفین سے رویہ: کیا اس مہم کے دوران ہم نے مختلف الخیال افراد تک پہنچ کر انھیں حکمت، موعظہ حسنہ اور اپنی نرم گفتاری سے اپنے سے قریب کیا یا انھیں مخالف اور محارب کے خانے میں دھکیل دیا۔ قرآن کریم ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ کل تک جو ہمارا دشمن تھا ہم اسے اپنی بھلائی سے ولی حمیم میں تبدیل کرنے کی حکمت عملی وضع کریں، اور پھر احتساب کریں کہ اللہ کی نصرت سے ہم کتنے مخالفین کو غیر جانب دار کر سکے۔ کتنے افراد کو تحریک کے ماحول میں لا سکے اور کتنے ہمدردوں کو سرگرم کا رکن بناسکے۔ اگر رابطہ عوام مہموں میں ایک ایک کارکن صرف تین ایسے افراد سے رابطہ قائم کر کے، جن میں سے ایک مخالف کو ہم خیال، ایک متعلق کو متعلق اور ایک متعلق کو کا رکن بنانے کی حکمت عملی پر عمل ہو، تو پانچ نہیں ایک سال میں تحریک سے وابستہ افراد میں تین گناہ اضافہ ہو سکتا ہے، اور اس طرح دعوت دین وسیع تر حلقوں تک پہنچانے میں اپنا فرض ادا کر سکتے ہیں۔۔۔

۴- اپنے گھر کی فکر: اس پہلو سے بھی احتساب کی ضرورت ہے کہ ہم نے دعوت کی اشاعت کے لیے جن جن مجازوں پر کام کیا، کیا ان میں گھر بھی شامل رہا، اور اگر شامل رہا ہے تو کس حد تک ابلاغی خلا (communication gap) ذور کیا جاسکا۔ عام مشاہدہ ہے کہ نظریاتی طور پر بچوں پر اثرات کے باوجود بعض گھروں میں عوامی مہم ہو یا انتخابات کا معاملہ، والدین اور بچوں کے فیصلے حالیہ انتخابات میں یکساں نہیں رہے۔ اس میں جہاں یہ پہلو ثابت ہے کہ بچوں نے اپنی آزادی رائے کا استعمال کیا، لیکن کیا انھیں اچھے انداز میں ان کے فیصلے کے اثرات سے آگاہ کیا گیا؟

۵- نوجوان قیادت: تحریکاتِ اسلامی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی

تحریکات کے قائدین نے عمر کے جس مرحلے میں عوامی رابطے کا آغاز کیا وہ خود ان کا بھی دور جوانی تھا جس کی بنا پر نوجوانوں کو متحرک کرنے اور attract کرنے میں انھیں آسانی ہوئی۔ اس بات پر غور کرنے اور تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ عوامی رابطے میں جن افراد کو امیدوار نامزد کیا گیا، کیا وہ نوجوانوں کو اپیل کرنے میں کامیاب ثابت ہوئے، یا ہماری توقع کے باوجود صحیح نتائج حاصل نہ کر سکے۔ تحریکات کی حیات کا انحصار نئے خون اور نئے دلوں، نئے زاویے، نئے طریقے تلاش کرنے والے ذہنوں کے ساتھ ہے۔ بلاشبہ حکمت جس چیز کا نام ہے وہ محض علم سے حاصل نہیں ہو سکتی، نہ صرف تجربے سے اور، نہ صرف عمر کی بزرگی سے۔ بعض نو عمر صحابہ کرام خلفاء راشدین کی شوری کے رکن تھے۔ بعد کے ادوار میں بعض نے سندھ اور بعض نے اپیلن اور چین پر یلغار کی، جب کہ ان کے بال سیاہ تھے۔ خود حضرت اسامہ بن زید کا فوج کی قیادت کرنا ایک سبق آموز مثال ہے۔ تحریک کو اپنی عوامی رابطے کی دعوتی مہم کے لیے ایسے نوجوانوں کو آگے بڑھانا ہوگا جو پاکستان کے ۶۶ فیصد نوجوانوں سے ان کی زبان میں بات کر سکیں۔ یہ ایک اہم اثر ہے۔

۶- انفاق فی سبیل اللہ: عوامی تحریکات میں ڈور دراز علاقوں بلکہ مقامی اجتماعات کے لیے جو بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے اور انتظامی امور میں جو مالی وسائل درکار ہوتے ہیں، نظریاتی تحریکات اس کے لیے ہمیشہ اپنے کارکنوں پر بھروسہ کرتی ہیں اور وہ خود یاد و سروں کے تعاون سے وسائل پیدا کرتے ہیں۔ یہی درست طریقہ ہے لیکن اسے وسیع کیے بغیر آج کے دور کی ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں۔ اس بات کا احتساب کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہر کارکن نے مالی انفاق میں حصہ لیا اور اگر لیا تو کس حد تک۔ کیا وہ ملکے اور بھارتی، گھر سے نکلا، یا انتظار میں رہا کہ جس رب کے لیے کام کیا جا رہا ہے وہ خود سب کام کر کے اقتدار ہمارے حوالے کر دے گا؟ کیا تمام ممکنہ قوتوں وقت، مال، صلاحیت کو لگا کر منزل کے حصوں کی کوشش کی گئی یا اضافاتی کی کارروائی کے طور پر کام کیا گیا اور امید یہ کی گئی کہ وہ خود اپنا وٹ لست میں چیک کریں گے اور خود جا کر رائے کا استعمال کریں گے، جب کہ بہت سے امیدواروں نے وہر ز کے لیے ہر مرحلہ خود آسان کر کے انھیں مد فراہم کی۔

۷- جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال: اس بات کے بھی احتساب کی ضرورت ہے کہ

ہم دین کی دعوت اور عوامی مہم میں کس حد تک بر قی ذرائع ابلاغ اور سوشل میڈیا، مثلاً فیس بک یا ٹو یٹر یا دیگر ویب کے ذرائع کو استعمال کر سکے یا محض عرب بھار کے خود بخود واقع ہو جانے کی امید پر قائم رہے۔ ہو سکتا ہے بعض حضرات کو یہ باتیں بعد از مرگ واویلانظر آئیں لیکن میں سمجھتا ہوں تحریکات کسی ایک یا دو انتخابات میں نہ مستقلًا کامیاب ہوتی ہیں اور نہ مستقلًا ناکام۔ تحریکاتِ اسلامی کے لیے احساسی عمل ایمان اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ ہر مرحلے میں انھیں ہمت، حوصلہ اور امید سے روشناس کرتا ہے۔ تقدیم ہمیشہ صحت کا پیش خیمه ہوتی ہے۔ قرآن کریم ہمیں یاد دہانی کرتا ہے کہ بعض باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں، جب کہ ان میں ہمارے لیے خیر ہوتا ہے اور بعض اچھی معلوم ہوتی ہیں، جب کہ ان میں شر ہوتا ہے۔

ان چند گزارشات کا مقصد صرف سورہ حم السجدہ کی آیات کی روشنی میں یہ جائزہ لینا ہے کہ کس طرح تحریک ان افراد کو جو کل تک تحریک سے اختلاف کرتے تھے، آئینہ پانچ برسوں میں ایک جامع اور قابل عمل منصوبے کے ذریعے نہ صرف اپنا ہم خیال بلکہ اپنا جگہی دوست بناسکتی ہے۔ اس معاملے میں شیطان بے کار نہیں بیٹھتا۔ اگر ہم ۱۰ گھنٹے دن میں کام کرتے ہیں تو وہ دن رات کے ۲۷ گھنٹے اپنی شر انگیزی میں لگاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ اللہ کی بناہ میں آیا جائے اور اس کے شر سے بچا جائے، اور اسی لیے کہا گیا کہ مخالف کی ضد، ہشت دھرمی، تلخ کلامی، الزام تراشی کا جواب بھلائی سے دیا جائے۔ رُب ای کو بھلائی سے ڈور کیا جائے تو وہی جو کل تک مخالف تھا، سرگرم کارکن بن سکتا ہے۔

رمضان میں جس نے ایمان و احساب کے ساتھ روزہ رکھا اس کے تمام ماضی کے گناہ، بھول، غیر شعوری طور پر غلطی سب کو رب کریم معاف کر دیتا ہے۔ جس نے رمضان میں ایمان کے ساتھ قیام کیا اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ جس نے رمضان میں ایمان و احساب کے ساتھ رات کو قیام کیا اس کے نہ صرف ماضی بلکہ دو رمضانوں کے درمیان تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اس ماہ کا ہر لمحہ مطالبه کرتا ہے کہ اسے تغیریت، ضبط نفس، عوام الناس کی خدمت، ناداروں اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے اور ملک و ملت میں عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے کی کوششوں میں صرف کیا جائے، تاکہ یہ مہینہ قیامت میں ہماری شفاعت اور گواہی دے کہ ہم نے اس کا حق ادا کر دیا۔